عظمت حدیث

از
(جناب پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم۔ اے لکچرر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

قرآن کا دعویٰ ہے اور دعویٰ بھی ایسا جو نہ صرف اپنوں بلکہ انصاف پسند غیروں کی کسوٹی پر بھی پورا اتر چکا ہے کہ وہ دنیا کے لئے ایک مکمل و جامع قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون اصولی طور پر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اصلاحِ عقائد۔ تصحیحِ عبادات۔ درستیٔ معاملات۔ مجموعہ تعزیرات۔ آئینِ سیاست۔ آدابِ معاشرت اصولِ اخلاق غرض کوئی گوشہ اس کی حدود سے باہر نہیں مگر جس طرح ہر قانون کی کچھ Rulings یا نظائر ہوتی ہیں جن کو اس قانون کی شرح یا عملی شکل سمجھنا چاہئے اسی طرح اس قانونِ الٰہی کی بھی ایک شرح ہے جس کو حدیث[1] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ حدیث اور اس کی تاریخ کے بارے میں چند ضروری باتیں گوش گذار کر دیں۔ تمام مذاہبِ عالم میں اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا کو ایک مکمل قانون دینے کے ساتھ ایک ایسا مکمل و کامل معلم بھی عطا کیا جس کا ہر قول و فعل جو قانون مذکور کی صحیح تصویر ہے آج ہمارے سامنے آئینہ ہے۔ قرآن اقامتِ صلوٰۃ۔ ادائے زکوٰۃ حج و جہاد۔ اہلی زندگی اجتماعی مسائل سب کی نسبت ہدایات و تعلیمات پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ تعلیمات نظری رہتیں اگر وہ معلمِ ربانی خود اپنی زندگی میں ان کو برت کر نہ دکھا دیتا مثلاً قرآن کا حکم ہے کہ اگر کسی کے ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ برتاؤ میں عدل اور برابری فرض ہے لیکن جب ہم احادیث میں پڑھتے ہیں کہ رسول مقبولؐ کھانے۔ کپڑے۔ رہنے سہنے میں کس طرح ازواج مطہرات

---

[1] حدیث کا اطلاق آنحضرتؐ کے قول۔ فعل اور تقریر پر ہوتا ہے صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی حدیث یا اثر کہتے ہیں۔ حدیث کو سنت و خبر بھی کہا جاتا ہے۔

کے ساتھ عمل فرماتے تھے تو اس حکم کی عملی تفسیر نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد رسالت سے لے کر ہر زمانے میں امت نے حدیث کی روایت وحفاظت کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیا۔

روایت کے بارے میں مسلمانوں کی احتیاط اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ سیر ومغازی تو درکنار عام خلفاء وسلاطین کی تاریخ میں بھی اس پابندی کو سختی سے ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ متقدم مؤرخین کی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ کوئی واقعہ اس وقت تک بیان نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کا سلسلہ آخر راوی سے لے کر چشم دید گواہ تک منتہی نہ ہو اسی بنا پر مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے بعد احادیث کے حفظ وضبط میں جو حیرت انگیز سعی کی ہے اس کی مثال کسی قوم کی مذہبی وعلمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس دینی شغف میں سب سے پہلے صحابہ کرام کا نمبر ہے انھوں نے خود حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے ارشادات کو یاد رکھا۔ قلمبند کیا اور دوسروں تک پہنچایا چنانچہ محدثین کا بیان ہے کہ ایسے صحابہ کی تعداد جنہوں نے سن کر یا دیکھ کر آپ کے اقوال وافعال کو روایت کیا ایک لاکھ سے اوپر ہے صحابہ کے بعد لاکھوں تابعین اور تبع تابعین آتے ہیں جو اپنی مقدس زندگیاں اسی خدمت دین کے لئے وقف کر چکے تھے جو ایک ایک حدیث بلکہ ایک ایک لفظ کی تحقیق کے لئے سیکڑوں کوس کی مسافت برداشت کرتے تھے اور جو علم نبوی کی نشر واشاعت کی خاطر ہزاروں خرچ کرتے تھے یہی زمانہ کتب حدیث کی باقاعدہ تالیف وتدوین کا تھا۔ ان حضرات کے ذوق علم کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ایک شہر میں ایک ایک ہزار شیخ حدیث کی روایت کی خدمت انجام دیتے تھے اور ایک ایک فرد اپنے وطن میں اور وطن سے نکل کر دو دو ہزار اساتذہ وشیوخ سے حدیث اخذ کرتا تھا۔

آج کل ہم تحریر پر تمام دارومدار رکھنے کے باعث حافظے کی کمزوری میں مبتلا ہیں اس

لہ جن لوگوں نے حالت اسلام میں رسولؐ خدا کو دیکھا وہ صحابہ کہلاتے ہیں۔ صحابہ کے دیکھنے والے تابعین اور تابعین کے دیکھنے والے تبع تابعین کہلاتے ہیں یہ کل احادیث کی تعداد تقریباً ۵۰ ہزار اور صحیح احادیث کی تقریباً ۴ ہزار بتائی جاتی ہے

لئے شاید مشکل سے ان واقعات کا یقین کریں۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں اور اتنی ہی امام ابوزرعہ کو امام بخاری اور مسلم کو تین تین لاکھ حدیثیں ازبر تھیں اسی پر دوسرے بزرگوں کو قیاس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ علمائے اسلام کی تربتوں کو منور کرے جنہوں نے علم نبیؐ کی خدمت میں عمریں وقف کردیں اور جانیں لڑادیں۔ مصنفات۔ مسانید اور سنن کی جمع وتدوین و ترتیب وتبویب کے علاوہ ان علماء نے حدیث سے متعلق جو علوم وضع کئے ان کی تعداد سو تک پہنچتی ہے اور جو تصانیف چھوڑیں اُن کا شمار ہزاروں سے متجاوز ہے۔ فن روایت۔ اصول درایت۔ رجال حدیث۔ لغات حدیث۔ مصطلحات حدیث۔ اصول حدیث پر اس وقت جو سرمایہ مسلمانوں کے پاس ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے ڈاکٹر اسپرنگر نے سچ کہا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے" حدیث کے رجال یعنی راویوں کی بایوگرافی کا یہ زبردست ذخیرہ جس کی مدد سے ہر روایت کا صدق وکذب آپ آج بھی جانچ سکتے ہیں صاف بتارہا ہے کہ مسلمانوں کا دینی شغف اور علمی ذوق کس قدر بلند تھا۔ ان حضرات کی جستجو واستقصا کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ رجال کی صرف ایک مختصر سی کتاب تقریب التہذیب میں محمد نام کے ۸۵۷ اور عبداللہ نام کے ۴۰۸ راویوں کا ریکارڈ موجود ہے دوسرے اسماء سعد۔ سعید۔ عمر۔ عمرو۔ عبدالرحمن وغیرہ کا بھی کم وبیش یہی حال ہے راویوں کے نام ونسب وسکونت کے علاوہ ہر ایک کے بارے میں نقد ونظر۔ جرح وتعدیل کے سرمایہ کی بنا پر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کون ثقہ ہے کون غیر ثقہ۔ کس کی روایت معتبر ہے اور کس کی غیر معتبر۔ اگر کسی راوی پر کذب، تہمت، فسق، بدعت، گمنامی، غفلت، غلطی۔ ثقات کی مخالفت، وہم یا حافظے کی کمزوری کا الزام ہے تو محدثین نے بے رو رعایت اس کو مجروح اور اس کی روایت کو مردود ٹھہرایا ہے۔ احادیث کی تقسیم۔ مرفوع وموقوف ومقطوع۔ قولی وفعلی وتقریری۔ اسی طرح احاد ومتواتر۔ مشہور وعزیز وغریب

صحیح و حسن، مقبول و مردود وغیرہ وغیرہ بتا رہی ہے کہ علمائے اسلام کی نظر کس قدر گہری اور معیارِ نقد کس قدر مکمل تھا۔ یہ احادیث کی اقسام ہیں جن کی تعریفیں طوالت کے خوف سے ترک کی جاتی ہیں۔

فن روایت کے بعد اصول درایت کا نمبر آتا ہے۔ یعنی اسناداً ایک حدیث کے راوی سب ثقہ اور مستند ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ عقلاً اس کے اندر کوئی نقص ہو۔ اس صورت میں بھی وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھی جائے گی۔ اس کی علمائے اسلام نے مختلف صورتیں قرار دی ہیں۔ مثلاً

(۱) کوئی حدیث صریح عقل کے خلاف ہو۔

(۲) مشاہدے یا واقعے کے خلاف ہو۔

(۳) اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید کے خلاف ہو۔ مثلاً دنیا کی عمر کے متعلق احادیث۔

(۵) احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہو۔

(۶) واقعہ جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہو اس کی شان یا عادت کے خلاف ہو۔

(۷) حدیث میں کوئی فضول یا رکیک بات بیان کی گئی ہو۔

(۸) حضرت خضر کے متعلق احادیث۔

(۹) قرآنی سورتوں کے فضائل کی احادیث۔

(۱۰) اطبا کے کلام سے مشابہت رکھنے والی احادیث۔

(۱۱) وہ حدیث جس میں معمولی نیکی پر بڑے اجر کا وعدہ یا خفیف سی غلطی پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۱۲) جس درجے کا اہم واقعہ ہو شہادت اس درجے کی نہ ہو۔ مثلاً روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت تھی تاہم ایک راوی کے سوا کسی اور نے یہ روایت نہیں کی یا ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں شخص اس کو روایت کرتے۔ اس کے باوجود صرف ایک شخص اس کا راوی ہے۔

(۱۳) راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی۔

(۱۴) وہ روایت جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں۔ یا جس کی تردید کے قرائن زیادہ ہوں مثلاً یہود خیبر سے جزیہ معاف ہونے کی روایت۔

(۱۵) روایت میں اصل واقعے کے علاوہ راوی کی ذاتی رائے بھی شامل ہو۔

(۱۶) ثقہ راوی سے روایت کے سمجھنے یا بیان کرنے میں غلطی کا احتمال ہو۔ مثلاً حضرت ابن عمر کی روایت کہ اہل میت کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

محدثین محققین کو روایت و درایت کے قواعد مرتب کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خواص و عوام میں حدیث کی مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے دجالین و وضاعین نے علما کا لباس پہن کر اپنے دل سے احادیث تراشنے اور ناواقفوں کو گمراہ کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ رسول مقبولؐ کا ارشاد ہے کہ من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار۔ یعنی جو مجھ پر قصداً جھوٹ جوڑے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ یہ حدیث اتنے صحابہ سے مروی ہے اور صحابہ کے بعد بھی ہر عہد میں اتنے اشخاص نے اس کو روایت کیا ہے کہ یہ درجۂ تواتر کو پہنچ گئی ہے و یسے بھی صحابہ سے جو دین کے حامل ہیں اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے کوئی کمتر درجہ کا شخص بھی آنحضرتؐ پر بالقصد افترا کرے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول یعنی سب اصحاب حدیث کے پہنچانے میں لائق وثوق و قابل اعتبار ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر جلیل القدر صحابہ حضورؐ سے حدیث روایت کرتے وقت کمال احتیاط برتتے تھے اور اپنی ذمہ داری کے خوف سے کانپ اٹھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرات عشرہ مبشرہ سے جو مقربین بارگاہِ رسالت تھے بہت تھوڑی تعداد میں احادیث مروی ہیں اور ایسے اصحاب جو اکثر حاضر باش رہتے تھے اور جن سے زیادہ احادیث مروی ہیں چھ سات سے زیادہ نہیں البتہ زوال مابعد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنی اغراض نفسانی کی خاطر احادیث وضع کرنے میں بے باک تھے۔ وضع احادیث کے مختلف اسباب تھے۔

(۱) بعض علمائے سوء نے حدیث کو امراء و سلاطین کے درباروں میں تقرب کا ذریعہ بنایا۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک قصہ لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی کو کبوتروں کا بہت شوق تھا۔ ایک دن غیاث بن ابراہیم محدث کو باریابی کا موقع ملا۔ جب حدیث سنانے کی فرمائش کی گئی تو غیاث نے کہا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ گھوڑ دوڑ، تیر اندازی، اور کبوتر بازی کے علاوہ شرط بدنا جائز نہیں۔ مہدی نے خوش ہو کر دس ہزار درہم عطا کئے۔ جب شخص مذکور چلا گیا تو مہدی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص کذاب ہے اور اس نے محض میرے خوش کرنے کو کبوتر بازی کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھائے ہیں یہ کہہ کر سب کبوتر ذبح کرا دئے۔

(۲) مشاجرات و نزاعات صحابہ کی بنا پر مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے تھے اور ہر فریق کے لوگوں نے دوسروں کے خلاف اور اپنے موافق روایت سازی سے کام لیا۔

(۳) حکومت وقت نے اپنے پروپاگنڈے اور اپنے حریفوں کی اہانت کی غرض سے اس مشینری کو حرکت دی۔ چنانچہ متعدد احادیث جو بنی امیہ یا بنی عباس کی حمایت میں ہیں اور جن کو ناقدین حدیث نے رد کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے ہیں۔

(۴) بعض سادہ لوح اشخاص نے نیک نیتی سے اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ لوگوں نے مسجد کوفہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ زار زار رو رہا تھا۔ جب وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ میں احادیث وضع کیا کرتا تھا اب تائب ہو چکا ہوں لیکن ہزاروں حدیثیں جو فضائل قرآن میں تصنیف کر کے ملک میں پھیلا چکا ہوں ان کا اب کیا تدارک ہو۔ لوگوں نے کہا آخر یہ حرکت کی ہی کیوں تھی جواب دیا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر فقہ ابو حنیفہ میں مشغول ہو گئے تھے اس لئے فضائل قرآن میں احادیث وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی اکثر احادیث جو صوفیہ سے مروی یا ان میں رائج ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ سمعانی کا قول ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن معاذ کا قول ہے من عشق فعف فکتم فمات مات شہیدا جو عشق میں پاکباز رہے اور اس کو چھپائے

تو اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔ یحییٰ بن معین نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں اس کے راوی سے جہاد کرتا۔ علیٰ ہذا موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ یا کنت کنزاً مخفیاً الخ محدثین نے ان حدیثوں کو بے اصل قرار دیا ہے اسی طرح یہ روایت بھی کہ حضورؐ پر نوبے نے سماع میں شرکت فرمائی اور حالت وجد میں گریبان چاک کر ڈالا سراسر افترا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ خدا اس کے وضع کرنے والے پر لعنت فرمائے۔

(۵) واعظ اور قصہ خواں اپنی گرمی بازار کے لئے روایات گھڑ کر آنحضرتؐ سے منسوب کردیتے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے ایسے واعظین کو مسجد سے نکال دیا۔

(۶) متعدد گمراہ فرقوں نے اپنی بدعات کی ترویج کے لئے اس شغل کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ جیسا کہ کتب حدیث کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔

جیساکہ اوپر عرض کیا گیا علمائے امت نے بروقت اس فتنے کی روک تھام کی اور ایسے عمدہ اصول مرتب کئے جن سے حق و باطل جدا جدا ہوگئے۔ ملا علی قاری۔ علامہ ابن جوزی۔ علامہ سیوطی اور دوسرے بزرگوں نے موضوعات کو کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد احادیث جو ہمارے یہاں میلاد شریف کی محافل میں بیان کی جاتی ہیں یا معجزات و فضائل سے متعلق ہیں یا حضرات صوفیہ کی تصانیف میں داخل ہوگئی ہیں سرے سے بے اصل ہیں۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبہات جو حدیث پر بعض مستشرقین یا نو تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں صاف کر دئے جائیں یہ شبہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) احادیث کے ذخیرہ کی اس قدر کثرت کو دیکھتے ہوئے حفاظِ حدیث کا ان کو محفوظ رکھنا نہایت مستبعد اور مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین نے لوگوں کو کتابت حدیث سے ہمیشہ منع فرمایا عہد سعادت سے مدتوں بعد یعنی تیسری صدی ہجری میں کتب احادیث کی تدوین ہوئی۔ ایسی صورت میں ان کے مستند ہونے کی کیا دلیل ہے۔

(۲) اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ ذخیرہ مستند ہے۔ تاہم اس کی حیثیت ایک تاریخی ریکارڈ کی ہے۔ مذہباً حدیث کا ہم پر حجت ہونا اور واجب العمل قرار پانا کیونکر تسلیم کیا جائے۔

پہلے شبہ کے متعلق ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ محدثین نے اکثر یہ کوشش کی ہے کہ ایک ہی روایت کی توثیق کے لئے اس کے جتنے طرق واسناد ہوں سب کو محفوظ رکھا جائے۔ جیسا کہ علامہ ابن جوزی کا قول ہے ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون یعنی حدیثوں کی اتنی بڑی تعداد سے مراد اسناد ہیں نہ کہ متن۔ مثلاً مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات ۷۰۰ طرق سے مروی ہے یعنی اگرچہ حدیث ایک ہی ہے۔ مگر راویوں کے متعدد سلسلوں کی بنا پر اس کو ۷۰۰ شمار کیا جاتا ہے اسی کے ساتھ عربوں[٭] کے غیر معمولی حافظے اور مذہب کے ساتھ ان کے زبردست شغف کو دیکھتے ہوئے ان کا محفوظ رہنا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا یہاں یہ بات اور صاف کر دینی چاہیے کہ جب ہم لاکھوں حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد صرف اقوال نبوی نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ رسولؐ پاک کے قول۔ فعل اور تقریر (یعنی جس کام کو آپ نے دوسرے کو کرتے دیکھا اور انکار نہ فرمایا) سب پر حاوی ہے۔ بلکہ آپ کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی محدثین نے حدیث کی تعریف میں داخل کیا ہے دوسرا شبہ بھی قلت تدبر کا نتیجہ ہے یہ درست ہے کہ آنحضرت نے شروع میں کتابتِ حدیث کی ممانعت فرمائی تھی۔ کیونکہ قرآن سے لوگوں کی توجہ ہٹ جانے اور قرآن و حدیث کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن جب یہ خطرہ رفع ہو گیا تو حکم امتناعی واپس لے لیا گیا۔ رہی نفس روایت اس کی اجازت بلکہ حکم برابر باقی رہا۔ یہ ضرور ہے کہ محتاط اور دور میں صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ قبولِ روایت میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ سے بغیر گواہ اور قسم کے حدیث قبول نہ فرماتے تھے۔

عام خیال یہ ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی ہجری کا واقعہ ہے کیونکہ جامعین صحاح ستہ

٭ان العرب قد خصصت بالحفظ۔ یعنی عرب حافظے کے بارے میں مخصوص درجہ رکھتے ہیں ۱۲

نے تیسری صدی کے لگ بھگ وفات پائی ہے چنانچہ امام بخاری کا سال وفات ۲۵۶ امام مسلم کا ۲۶۱ - ابن ماجہ کا ۲۷۳ - ابوداؤد کا ۲۷۵ - ترمذی کا ۲۷۹ - اور نسائی کا ۳۰۳ ہجری ہے [1] زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لیجئے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث کی تدوین امام زہری کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری کے آخر میں عمل میں آئی۔ بہرصورت جب حضورؐ سے اتنی مدت کے بعد یہ سرمایہ مدون ہوا تو اس کی صحت کا کیا اعتبار لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں حدیث کا کافی ذخیرہ تحریر و تدوین کے مراحل طے کر چکا تھا خود امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب کتابۃ العلم باندھا ہے جس میں حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفے کا موجود ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس صحیفے میں دیت وغیرہ کے احکام قلمبند تھے۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ کے خطبۂ فتح مکہ کا ذکر ہے اس موقع پر ایک شخص ابوشاہ یمنی عرض کرتے ہیں کہ یا حضرت یہ احکام میرے لئے لکھوا دیجئے۔ جس پر آپ فرماتے ہیں اکتبوا لابی فلاں یعنی ان کے لئے یہ احکام قلمبند کر دئے جائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بھی اپنی مرویات جو پانچ ہزار سے اوپر تھیں کتابی صورت میں موجود تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے اپنی مرویات جو حضرت ابوہریرہ کی مرویات سے بھی زیادہ تھیں حضور کی اجازت سے لکھ لی تھیں۔ حضرت انسؓ جن سے تقریباً بارہ سو احادیث مروی ہیں خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو لکھ کر رسول مقبول کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کا بھی یہی حال تھا۔ آخر الذکر بزرگ کے پاس اقوال نبویؐ کے علاوہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے قضایا بھی قلمبند تھے۔ یہ تحریری مجموعے ان مراسلات اور معاہدات کے علاوہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ کر سلاطین کو بھیجے گئے تھے یا بعض جماعتوں کو سپرد کئے گئے تھے۔

جو حضرات عہد رسالت میں اس مقدس سرمایے کا قید کتابت میں آنا تسلیم نہیں کرتے

---

[1] انھیں چھ محدثین کی جمع کردہ کتب حدیث جو انھیں کے نام سے مشہور ہیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں [2] صحابہ مکثرین فی الحدیث اس ترتیب سے ہیں عبداللہؓ بن عمرو۔ تقریباً چھ ہزار، ابوہریرہؓ ۵۳۷۴، عبداللہؓ بن عباس ۲۶۶۰، عائشہ صدیقہؓ ۲۲۱۰، عبداللہؓ بن عمر ۱۶۳۰، جابرؓ ۱۵۰۶، انسؓ ۱۲۸۶۔

معیاری و مستند اسلامی تاریخ سے بیگانہ ہیں۔ یا دانستہ ایسا کہہ کر حدیثِ نبوی کی اہمیت کو گھٹانا چاہتے ہیں۔ در اصل ان کی مثال اس کوزہ پشت بڑھیا کی ہے جو خود تندرست ہونے کی بجائے یہ چاہتی تھی کہ تمام دنیا کی پیٹھ اسی کی طرح کبڑی ہو جائے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سرورِ عالم کی حیاتِ مبارک ہی میں ایک طرف قرآن مجید بتمامہ سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہو کر پوری اسلامی آبادی میں دائر و سائر ہو چکا تھا اور دوسری طرف احادیث کا کل نہیں تو بڑا حصہ قیدِ تحریر میں آچکا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب صحابہ کی جماعت کے اکثر افراد وفات پا چکے تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس خوف سے کہ علم حدیث دنیا سے مٹ نہ جائے ابو بکر بن حزم کو احادیث کی جستجو کا حکم دیا اور ابن شہاب زہری کو تدوین پر مامور کیا۔ امام زہری اور ان کے رفقائے کار نے اس دور میں علم حدیث کی بڑی خدمت کی۔ مگر افسوس کہ اس دور کے اکثر کارنامے زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام بخاری اور ان کے رفقا کا عہد آگیا۔ غیر مناسب نہ ہو گا اگر مثال کے طور پر یہاں بخاری کی تالیف کا واقعہ مختصراً نقل کر دیا جائے جس سے سلف کے حیرت انگیز حافظے اور غیر معمولی احتیاطِ کتابت کا اندازہ ہو سکے گا۔ خود ان کا بیان ہے کہ شیخ اسحٰق کی مجلس میں بعض دوستوں نے کہا کہ اگر احادیث کے دفتر میں سے ایک مختصر اور مستند انتخاب کر دیا جائے تو کیا اچھا ہو۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے تقریباً سات ہزار حدیثیں[1] چھانٹ لیں اور ان کو اپنے اور حق تعالیٰ کے درمیان حجت قرار دیا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کے حافظے کا امتحان کرنے کے لئے سو حدیثوں کو اس طرح الٹ پلٹ دیا تھا کہ ایک کے متن میں دوسری کے اسناد ملا دئے۔ امام بخاری نے تمام حدیثوں کو صحیح متون اور اسناد کے ساتھ سنا دیا۔ کتابت میں اس قدر احتیاط مدِ نظر تھی کہ صرف وہ حدیث درج کرتے جو صحت کے اعلیٰ درجے پر ہوتی اور جس کے اسناد متصل ہوتے اور ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعتیں ادا کرتے اور ممبر و قبر نبوی کے درمیان بیٹھ کر مصروفِ تحریر

---

[1] یہ مکررات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار کے قریب ہوتی ہیں۔

ہوتے اس طرح یہ کتاب سولہ سال میں تکمیل کو پہنچی۔ اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ حدیث کی چھ مشہور کتابوں (صحاح ستہ) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اور یہ دونوں صحیحین کہلاتی ہیں اور ان میں بھی صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد آسمان کے نیچے اصح الکتب تسلیم کی گئی ہے۔

محدثین کا قول ہے کہ دنیا کے حفاظ چار گذرے ہیں۔ ابوزرعہ رے میں۔ مسلم نیشاپور میں۔ دارمی سمرقند میں۔ اور بخاری بخارا میں اور ان میں آخر الذکر علم و فہم میں سب سے برتر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علل و اسانید حدیث کے علم میں وہ اپنے عہد کے امام تھے چنانچہ مشہور ہے کہ عہد طلب میں ایک مرتبہ ان کے شیخ اپنی کتاب سے ان کو حدیث پڑھا رہے تھے کہ ان کی زبان سے نکلا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ بخاری نے ٹوکا اور کہا کہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے سماعتِ حدیث نہیں کی ہے۔ استاد انصاف پسند اور جوہر شناس تھے خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ صحیح کیا ہے۔ جواب دیا سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراہیم۔ استاد ان کی معلومات دیکھ کر حیران ہوئے اور اپنی کتاب میں تصحیح کرلی۔

اسی سلسلے میں ان کا ایک خواب دلچسپی سے خالی نہیں وہ یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ میں رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ کو پنکھا جھل رہا ہوں۔ جس کی ایک شخص نے یہ تعبیر کی کہ تم احادیث نبویہؐ سے وضاعین دجالین کا کذب دفع کروگے۔

ایک جگہ خود امام بخاری نے لکھا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب ان کی عمر سولہ برس کی تھی۔ انھیں کا بیان ہے کہ میں نے مختلف بلادِ اسلام میں جاکر متعدد شیوخ سے (جن کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچتی ہے) حدیث اخذ کی اور ہر حدیث کی سند مجھے ازبر ہے۔

ان کی صحیح بخاری خالص صحیح احادیث کا پہلا مجموعہ ہے جس میں قبولِ روایت کی شرائط بہت سخت رکھی ہیں اس میں انھوں نے صرف صحیح احادیث کو لیا ہے۔ اور بعض صحیح احادیث

کا غلطوں کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ جن لوگوں نے خود مؤلف سے اس کی روایت کی ہے ان کی تعداد نوے ہزار۔ یا ایک لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں بڑے بڑے علمائے اعلام مثلاً مسلم۔ ترمذی۔ نسائی وغیرہم شامل ہیں۔

امام بخاری کے اسی تبحر اور احتیاط کا نتیجہ ہے کہ دنیائے اسلام کے اکابر نے ہر زمانے میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ابن خزیمہ کا قول ہے کہ میں نے آسمان کے نیچے بخاری سے بڑا عالم حدیث نہیں دیکھا امام مسلم جب ان کے پاس آتے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ مجھے اجازت دو کہ تمہارے قدم چوموں۔ انھیں کا ارشاد ہے کہ آپ سے حاسد کے سوا کوئی بغض نہ رکھے گا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں جعفر مروزی فرماتے ہیں کہ اگر ممکن ہوتا تو میں اپنی عمر میں سے بخاری کو دے دیتا۔

مشہور ہے کہ امام بخاری کی وفات پر لوگوں نے حضور سرور عالم کو خواب میں دیکھا کہ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

باقی کتب صحاح کے جامعین کے تبحر اور تورّع کا بھی کم وبیش یہی حال ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم اس کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تیسرے شبہ کی طرف متوجہ ہوں اور حدیث کا مذہباً حجت ہونا ثابت کریں۔

جن لوگوں کی احادیثِ نبوی پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ سنتِ رسولؐ کو جاننے اور اس پر کاربند ہونے کی کس قدر تاکید آئی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ روانہ کرنے سے پہلے سوال کیا کہ وہاں لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیوں کر کرو گے۔ جواب دیا کتاب اللہ کے ذریعے سے دریافت کیا اگر کتاب اللہ میں کوئی صریح حکم نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ نے ان

کی تصویب و تحسین فرمائی۔

ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مسند پر نازو غرور سے متمکن ہو اور میرا حکم اس کے روبرو پیش کیا جائے اور وہ کہے کہ میں قرآن کے علاوہ کچھ نہیں جانتا ممکن ہے کہ کوئی منطقی دوست مجھ پر دور یعنی argumentum in circulo کا الزام لگائیں اور فرمائیں کہ خوب! حدیث کا حجت ہونا ثابت کیا جائے اور حدیث ہی سے دلیل لائی جائے۔ اس لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں اطاعت خدا و اطاعت رسول کی تاکید صراحۃً آئی ہے کہیں فرمایا جاتا ہے "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس کام سے منع کریں اس سے باز رہو۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رسول اللہ تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہیں۔ متعدد مقامات پر آنحضرت کا منصب یہ بتایا گیا ہے کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جو حضرات صرف کتابِ الٰہی کو واجب العمل مانتے ہیں خدارا بتائیں کہ حکمت سے کیا چیز مراد ہے؟ بعض لوگ دبی زبان سے فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر اور اس کے مطالب کی تشریح ہے۔ لیکن آخر ہمارے لئے اس تفسیر تک پہنچنے کا ذریعہ کیا ہے۔ وہی حدیث یا کچھ اور اگر عقلاً دیکھا جائے تو بھی حدیث کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ایک قانون کو تو تسلیم کریں اور اس کی نظائر کے ماننے سے انکار کر دیں جبکہ آپ کو یہ ثابت ہو چکا کہ وہ نظائر مستند طور پر قانون کے اولین ترجمان کی طرف منسوب ہیں۔

اس امر کو اس پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ جو پیمبر پر کتاب نازل کر سکتا تھا کیا اس پر قادر نہ تھا پیمبر کی وساطت کے بغیر مخلوق کے درمیان کتاب بھیج دیتا تاکہ لوگ اس میں دیکھ دیکھ کر اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے بلکہ یہ صورت اتنی بہ پرست لوگوں کو اور زیادہ ساکت کر دیتی اُن کو تو یہی اعتراض تھا کہ ہمیں جیسے انسان کو وحی سے کیوں مشرف کیا گیا ہے۔ تاہم خدا

نے ایک رسول کو بھی مبعوث کیا تاکہ وہ اس الٰہی تعلیم کا صحیح وکامل نمونہ بناکر خود کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ خدا خود فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

یعنی ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ صرف اس غرض سے بھیجے کہ ہمارے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے بے شک خدائے پاک نے ہمیں نماز کا حکم دیا اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن فجر کی دو رکعتیں پڑھی جائیں اور زکوٰۃ رقم کی ۱/۴۰ ہو یہ ہمیں رسولِ خدا نے اپنے قول وعمل سے بتایا ہے۔ تمام عبادات ومعاملات کا یہی حال ہے یعنی قرآن نے عموماً کلیات سے اعتنا کی ہے اور جزئیات کی تفصیلات اسوۂ رسول سے ماخوذ ہیں۔

فبای حدیث بعدہ یومنون

اس مقالے کی ترتیب کے وقت کتب ذیل پیش نظر تھیں۔ قرآن مجید۔ صحیح بخاری مع مقدمہ مولانا احمد علی سہارنپوری۔ نخبۃ الفکر مع نزہۃ النظر۔ الدر النضید۔ نیل الامانی۔ تدریب الراوی۔ عمدۃ الاصول۔ معرفۃ علوم الحدیث۔ تقریب التہذیب۔ موضوعات ملا علی قاری۔ تاریخ الخلفاء۔ سیرۃ النبی۔ تدوین حدیث۔ موجودہ تصوف (مرتبہ خود)۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ مجاہد اعظم۔

خلافتِ عباسیہ جلد اوّل

تاریخ ملت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفاح۔ منصور۔ مہدی۔ ہادی۔ ہارون امین۔ مامون۔ معتصم اور واثق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی دَور حقیقت میں دورِ عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت واقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع ومستند حالات وواقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہدِ حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی اور اصلاحی کارناموں پر دلپذیر تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۴۴۴ قیمت غیر مجلد ۱۲/- مجلد للعہ